© rasailojaraid.com

حضرت مخدوم شاہ نورالحق کی علویت

از جناب پروفیسر محمد بدرالدین صاحب مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

مخدوم صاحب کا مختصر تذکرہ کتاب مرآۃ الاسرار مصنفہ عبدالرحمٰن چشتی میں ہے اور کوائف اشرفیہ (ضمیمہ لطائف اشرفی) کے حسب بیان ہمایوں بادشاہ دہلی کو مخدوم صاحب سے نسبت ارادت تھی۔

اس تحقیق کی بنیاد کہ حضرت مخدوم شاہ نورالحق قدس سرہ (المتوفی ۹۶۳ھ۔ المدفون موضع سرہر پور ضلع فیض آباد) نسباً علوی تھے، چھ دلائل ہیں جن کو میں نے بالتفصیل کشف النقاب عن الاحوال والانساب میں لکھا ہے اور انساب میں جو خلط والتباس ہو جاتا ہے اس کی بھی وہاں وضاحت کردی ہے مگر جو لوگ انا وجدنا آباءنا علی امة وانا علی آثارھم مقتدون کے عامل ہیں اور تقلید کو تحقیق پر ترجیح دیتے ہیں، ان میں سے بعض نے اس تحقیق کے خلاف خامہ فرسائی کی ہے لیکن چھ دلائل میں سے صرف دو پر ردوقدح ہوئی باقی چار سے تعرض نہیں کیا گیا۔

دستور ہے کہ نزاعی معاملات کے آسانی سے فیصلہ کرنے کے لئے تنقیحات قائم کی جاتی ہیں۔ لہذا میں بھی اس مسئلے کے لئے چار تنقیحات قائم کرتا ہوں، اگرچہ ناظرین کرام نے اس مسئلے کے متعلق پچھلی تحریرات نہ دیکھی ہوں گی تاہم امید ہے مسئلہ ذہن نشین ہو جائیگا اور تنقیحات کے فیصل ہو جانے پر حقیقت کھل جائے گی۔

تنقیحات (۱) حضرت مخدوم شاہ نورالحق کا نسب نامہ موسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب پر منتہی ہونا بتایا جاتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا قدیم اور معتبر کتب تواریخ سے یہ ثابت ہے کہ علی بن عبداللہ موصوف کے بائیس بیٹوں میں کسی کا نام موسیٰ تھا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) عباس بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں کوئی صاحب موسیٰ نام کے کتب انساب سے ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۳) معترضین کی واحد دلیل خود ان کے الفاظ میں تقریباً تین سو برس پرانے شجرے ہیں جس پر حضرت شاہ خوب اللہ الٰہ آبادی (المتوفی ۱۱۴۴ھ) کے ایک مکتوب سے تائید لائی گئی ہے۔ شاہ صاحب کے مکتوب کی عبارت یہ ہے:۔ "ونسب اعزائے سرہرپور بموجب نوشتہ آں عزیزاں، بموسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس می پیوندد۔" اول تو یہ کہ شاہ صاحب نے اس بیان کی ذمہ داری کو "بموجب نوشتہ آں عزیزاں" کہکر اپنے اوپر سے ہٹا دیا ہے۔ لہذا ان کی نہ رہی۔ دوم یہ کہ ضروری نہیں کہ اعزائے سرہرپور سے شاہ نور صاحب کی اولاد مراد ہو، ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ سرہرپور کے اصلی عباسیوں کا خاندان مراد ہو جس میں شاہ کبیر سرہرپوری گزرے ہیں۔ آیا یہ تین سو برس پرانے شجرے ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ تقریباً پورے گیارہ سو برس قبل) کی کتاب کے مقابلے میں رکھے جانے کے قابل ہیں؟

(۴) کیا اس بارہ میں کسی "روایت" کا وجود ہے اور بالفرض کوئی روایت ہو بھی تو کیا اس کو بلا لحاظ درایت تسلیم کر لینا دانشمندی ہے۔

جواب تنقیح اول | کشف النقاب میں کتاب المعارف ابن قتیبہ کا حوالہ دیکھا ہوں کتاب مذکور کو "تاریخ کا مختصر رسالہ" اور "انساب سے خارج" سمجھنا غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کو بیان کر کے حضور کے چچاؤں اور پھوپھیوں کے حالات، اولاد کی تفصیل اور اس بات کی تشریح کہ ان میں سے کون صاحب اولاد ہے اور کون لاولد، جس بسط سے اس کتاب میں مذکور ہیں اس سے کوئی دیکھنے والا انکار نہیں کر سکتا اس کتاب کی تصنیف میں یہ مقصد بھی ہے کہ نسب میں عام اغلاط کی تصحیح کی جائے ایسی غلطیوں کی مثال کے طور پر وہ لکھتا ہے: کرجل رأیتہ ینتسب الی ابی ذر ولا عقب لابی ذر واٰخر ینتمی الی حسان بن ثابت وقد انقرض عقب حسان . . . . الخ (کتاب المعارف ص ۳ مطبوعہ جرمنی)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ ابنِ قتیبہ کی سند کافی ہے تاہم معترضین کے مزید اطمینان کے لئے ایک دوسری کتاب کا حوالہ دیتا ہوں جس کا مصنف متقدمین میں ایک ممتاز رتبہ رکھتا ہے اور ابن قتیبہ کا ہم عصر ہے۔ علی بن عبداللہ کے بائیسوں بیٹوں کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔ یہ حوالہ بُرہانِ قاطع ہے جس کی تردید غیر ممکن ہے۔ دیکھئے احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح الکاتب العباسی المعروف بالیعقوبی کی تاریخ [1]

وکان لعلی بن عبد اللہ بن عباس من الولد اثنان وعشرون ولدا: محمد[1] بن علی وامہ العالیۃ بنت عبید اللہ بن عباس وداؤد[2] وعیسیٰ[3] لام ولد وسلیمان[4] وصالح[5] لام ولد واحمد[6] وبشر[7] ومبشر[8] واسمعیل[9] وعبد الصمد[10] لامہات اولاد وعبد اللہ[11] الاکبر امہ ام ابیہا بنت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب لاعقب لہ وعبید[12] اللہ وامہ فلانۃ بنت الحریش وعبد الملک[13] وعثمان[14] وعبد الرحمن[15] وعبد اللہ[16] الاصغر وھو السفاح ویحییٰ[17] واسحٰق[18] ویعقوب[19] وعبد العزیز[20] واسمعیل[21] الاصغر وعبد اللہ الاوسط وھو الاحنف لامہات اولاد شتی۔ دیکھئے تفصیل آپ کے سامنے ہے بائیسوں بیٹوں میں موسیٰ نامی کوئی نہیں [2]

جیسا کہ مصنف کے نام سے ظاہر ہے وہ خود عباسی ہے۔ اس کا سن وفات ۲۷۸ھ ہے [3] علی بن عبداللہ کا انتقال ۱۱۸ھ میں ہوا۔ لہذا الیعقوبی کا سنہ وفات ان سے ایکسو اٹھاون سال بعد ہے۔

---

[1] مطبوعہ لائڈن یورپ ۱۸۸۳ء جلد دوم ص ۳۸۶ - [2] ملاحظہ ہو الاعلام مصنفہ خیر الدین الزرکلی مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۸۶ -

[3] ترجمہ اردو تاریخ طبری (واقعات ۱۷۶ھ) میں اور تاریخ ابن خلدون میں موسیٰ بن علی کا نام دکھلا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ موسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس ہیں۔ لیکن اصل تاریخ طبری میں اس مقام پر موسیٰ بن عیسیٰ درج ہے (ملاحظہ ہو مطبوعہ یورپ ص ۲۶۵ - واقعات ۱۷۶ھ) تاریخ ابنِ خلدون میں ضرور موسیٰ بن علی ہے۔ لیکن جب تک علی بن عبداللہ بن عباس نہ ہو، ان کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو لوگ اسماء الرجال سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ موسیٰ بن علی نام والوں کی کمی نہیں ہے۔

علاوہ بریں ابن خلدون میں جس موقع پر یہ نام لکھا ہے اسی موقع پر طبری عیسیٰ بن علی لکھتا ہے جو زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ (ملاحظہ ہو مطبوعہ یورپ ص ۵۲۰ واقعات ۱۶۷ھ) -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارباب بصیرت خود فیصلہ فرمائیں کہ علی بن عبد اللہ کی اولاد کے متعلق وہ زیادہ صحیح واقفیت رکھ سکتا ہے یا ساڑھے نو سو سال بعد کے لوگ؟

اب ابن قتیبہ اور یعقوبی کے استناد و اعتبار کے بارہ میں (اگرچہ ان دونوں مورخوں کا مرتبہ شہادت و حمایت سے بالاتر ہے تاہم معترضین کے مزید اطمینان کے لئے) اس صدی کے مشہور مورخ و محقق شبلی نعمانی کی رائے بھی سن لیجئے۔

"عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے، محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے۔ . . . یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں" [۵۱]

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے۔ چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اس لئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا [۵۲]

تنقیح دوم | عباس بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں ایک صاحب موسیٰ نام کے موجود ہیں۔ [۵۳]

من ولدہ عبد اللہ بن حسن المذکور لہ عدد کثیر اعقب من احد عشر رجلا منہم محمد اللحیانی والقاسم وموسیٰ وطاہر واسمٰعیل ویحیی وجعفر وعبید اللہ بنو عبد اللہ المذکور لھم اعقاب وموسیٰ بن عبد اللہ بن الحسن . . . الکوفی الشجاع فقال الشیخ العمری لہ عقب وبقیۃ" یہی مضمون اور موسیٰ کا نام عمدۃ الطالب قلمی میں بھی ہے جو ہماری یونیورسٹی لائبریری کے عبد السلام کلیکشن کے ذخیرۂ تاریخ میں ۳۲۲ پر ہے۔ تکیہ کاظمیہ کاکوری میں بھی ایک قلمی نسخہ موسومہ عمدۃ الطالب موجود ہے۔ شاہ حبیب حیدر صاحب مرحوم سجادہ نشین تکیۂ مذکور نے مجھکو لکھا تھا کہ اس میں بھی عباس بن علی مرتضیٰؓ کی اولاد میں ایک صاحب موسیٰ نام کے ہیں۔ شاہ صاحب مرحوم کا یہ خط اسوقت تک میرے پاس محفوظ ہے۔

---

[۵۱] و [۵۲] الفاروق حصہ اول ص ۴ مطبوعہ خواجہ پریس دہلی۔ [۵۳] دیکھئے عمدۃ الطالب فی نسب آل ابی طالب ص ۲۸ و ۳۲۷ مطبوعہ بمبئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ فیصلہ ہو جانے کے بعد کہ علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں کوئی موسیٰ نہیں اور عباس بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں ایک بزرگ موسیٰ ہیں، ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت شاہ نور کو عباس بن علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ماننا حق ہے یا عباس بن عبدالمطلب سے۔

تنقیح سوم | قاعدہ ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق گواہی اس کی معتبر ہوتی ہے جو اس واقعہ کا شاہد ہو۔ ورنہ اس کی جو باعتبار زمان و مکان اس واقعے سے قریب تر ہو۔ یہاں ایک گواہی آج سے تین سو برس قبل کے شجروں کی ہے جن کا زمانہ علی بن عبداللہ بن عباس (المتوفی ۱۱۸ھ) سے تقریباً ساڑھے نو سو برس کا فاصلہ رکھتا ہے اور بُعد مکانی کا یہ عالم ہے کہ وہ ملک شام میں تھے اور یہ شجرے ہندوستان میں لکھے گئے ہیں۔ دوسری طرف ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ) اور الیعقوبی (المتوفی ۲۷۸ھ) کی گواہی ہے جو علی بن عبداللہ سے زیادہ سے زیادہ ایکسو ساٹھ برس کی دوری پر ہیں اور قربِ مکانی کا یہ حال ہے کہ ایک شام تو دوسرے بغداد۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں دوسری گواہی قابلِ اعتبار ہے اور یہ تین سو برس پرانے شجرے ہرگز اس قابل نہیں کہ ابنِ قتیبہ اور الیعقوبی جیسے متقدمین کے مقابل رکھے جائیں۔

تنقیح چہارم | اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا اس بارہ میں کوئی "روایت" موجود ہے جس کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ روایت کے معنی ہیں کسی واقعہ کو صاحب واقعہ یا شاہد واقعہ تک بسند رواۃ پہنچا دینا۔ چنانچہ ادعائے روایت کا مطلب یہ ہوا کہ سلسلۂ نقل کسی ایسے شخص تک بسندِ رواۃ پہنچا دیا گیا ہو جو اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر علی بن عبداللہ کے بیٹوں میں موسیٰ کا ہونا بیان کر رہا ہو۔ لیکن اظہر من الشمس ہے کہ یہاں یہ صورت نہیں پائی جاتی لہذا ایک خیال کو روایت قرار دینا بالکل بے معنی ہے۔ بفرضِ محال کوئی روایت ہو بھی تو تحقیق کا تقاضا ہے کہ اصول درایت پر اس کو جانچنا چاہیئے اور جانچنے کے بعد اس کے قبول یا عدم قبول کا فیصلہ کرنا چاہیئے بغیر اس کے ہر روایت کو تسلیم کر لینا عقل و تحقیق کے منافی ہے۔

چاروں تنقیحات کا فیصلہ ناظرین کے سامنے ہے اور نتیجہ کے متعلق میرا خیال ہے کہ اب مجھے کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔

© rasailojaraid.com